محمد ابرار ارشد
استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، سٹیلائیٹ ٹاؤن، گجرانوالہ
ڈاکٹر عبدالواجد تبسم
استاد شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔
پروفیسر ڈاکٹر حمیرا ارشاد
صدر شعبہ اردو لاہور کالج ویمن یونیورسٹی۔لاہور۔

مولانا ظفر علی خان کا نثری اسلوب

Muhammad Abrar Arshad
Lecturer: Govt. Post. Graduate college satellite town Gujranwala
Dr.Abdul Wajid Tabbsim
Assistant Professor, Department of Urdu, AIOU, Islamabad.
Prof. Dr. Humaira Irshad
Head of Urdu Department, Lahore College Women University, Lahore.

Prosaic style of Mulana Zafar Ali khan

Mulana Zafar Ali khan started his writing journey as a translator. He made scholarly and literary translations from Western literature The prose of these translations is very enjoyable and heartwarming, and the style is not dull and dry. His style of expression in scholarly writings is based upon reason and logic, in literary subjects, his prose is full of hymns and enthusiasm though his style in literary subjects is romantic, yet it is not permanent. He was well versed in choosing appropriate words, well aware of the needs of the art of essay writing and has mastery over various styles of writing. The characteristic of his journalistic writings is clarity and simplicity one of the main colors of his style of expression is rhetoric. In a nutshell, his style is not one-sided and static, but it is very diverse.

Keywords: *Prose, Style, Poet, Poetry, Translation, Literature, Literary, subjects, Language, Esaay, Fiction, Journalism, Editorial, Romantic style.*

اردو میں اسلوب کا لفظ انگریزی لفظ اسٹائل (Style) کے متبادل کے طور پر مستعمل ہے اور اسلوبِ تحریر، طرزِ تحریر، اندازِ بیان، اسلوبِ نگارش، طرزِ ادا جیسے لفظ اسٹائل ہی کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ”اسٹائل“ کی اصطلاح وسیع المعنی ہے، ہم کہہ سکتے ہیں، یہ وہ متعین راستہ اور روش ہے جس سے ادیب کی شخصیت کے منفرد خط و

خال ابھر کر سامنے آ جاتے ہیں اور مصنف کی شخصیت اپنے نشیب و فراز، رنگ و آہنگ، پسند و ناپسند اور رجحان و میلان کے ساتھ عبارت میں منتقل ہو جاتی ہے؛ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اسلوب شخصیت کا آئینہ یا اسلوب خود انسان ہے۔ ایک لکھنے والا اپنی تحریر میں جملوں کی ساخت، الفاظ کا انتخاب اور در و بست، بیان کے مختلف طریقوں اور لسانی صنعت گری کو جس سلیقے اور انفرادیت کے ساتھ برتتا ہے وہی اس کا اسلوب یا اندازِ بیان کہلاتا ہے۔ مصنف کے مزاج کا عمل دخل اسلوب میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ بعض لکھنے والے سادگی و صفائی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں اور بعض پیچیدگی کو پسند کرتے ہیں، اس مختلف المزاجی سے اسلوبِ بیان کی انفرادیت سامنے آتی ہے۔

ایک اچھا ادیب اور انشا پرداز اپنے خیال، فکر اور مقصد کے ابلاغ کے لیے اسالیب کی جدت طرازی سے بھی کام لیتا ہے۔ کہیں وضاحت، کہیں ابہام، کہیں ایجاز و اختصار، کہیں شرح و تفصیل، کہیں روانی و سلاست، کہیں مشکل گوئی و پیچیدگی، کہیں منطق و مدلل، کہیں شاعرانہ طرز جیسے انداز سے کام لیتا ہے۔ ظفر علی خان کا اسلوبِ نگارش یک رخا نہیں ہے بلکہ کئی جہتوں کا حامل ہے۔ چونکہ ظفر علی خان صرف انشا پرداز ہی نہیں تھے بلکہ صاحبِ طرز اور قادر الکلام شاعر بھی تھے اور بطورِ انشا پرداز بھی ان کی کئی جہتیں ہیں۔ وہ بیک وقت مترجم، مفسر، مضمون نگار، فکشن نگار، صحیفہ نگار اور مقرر و خطیب تھے۔ لہٰذا ان کا اسلوبِ بیان بھی ان کے موضوعات کی طرح محدود نہیں ہے اور اس میں کئی قسم کے اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ چونکہ ہر صنف کا اپنا ایک مزاج اور ایک خاص دائرہ کار ہوتا ہے اور اپنی پابندی کا تقاضا بھی رکھتا ہے۔ ظفر علی خان کا کمال یہ ہے کہ وہ جس صنف میں لکھ رہے ہیں اس کے مزاج کو سمجھتے ہیں اور اسی سانچے میں ان کا اسلوب ڈھلتا ہے جس کا تقاضا کیا جا رہا ہے؛ اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ محمد حسین آزاد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہر قسم کی کتابوں میں ایک ہی طرح کی زبان اور رنگ و آہنگ اختیار کرتے ہیں اور ہر جگہ کی فضا کو ایک ہی تاثر و احساس سے بھر دیتے ہیں اور ان کی تمام تحریریں خاص افسانوی رنگ کی حامل ہیں، شاعرانہ فقروں، نازک خیالیوں اور بلند پروازیوں کا سماں ہر طرف پیدا کرتے ہیں لیکن ظفر علی خان کا یہ مسئلہ نہیں ہے ان کا اسلوبِ بیان اس صنف سے مطابقت رکھتا ہے جس میں وہ اظہارِ خیال کر رہے ہیں۔ چند استثنائی صورتیں موجود ہیں لیکن مجموعی تاثر ان کے اسلوب کا وہی ہے جو سطورِ بالا میں بیان کیا گیا ہے۔

ظفر علی خان کی نثر کا آغاز تراجم سے ہوتا ہے، انھوں نے مغربی ادب سے علمی و افسانوی تراجم کیے ہیں۔ یہ تراجم نہایت پر لطف اور دل آویز ہیں۔ ظفر علی خان نے صرف متبادل اور مرادف لفظ ہی تلاش نہیں کیے بلکہ ترجمے میں ایسی مہارت اور اسلوبِ بیان اختیار کیا ہے کہ ترجمہ تخلیقی سطح پر پہنچ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ترجمے

صرف ترجمہ نہیں بلکہ طبع زاد تحریریں معلوم ہوتی ہیں۔ تراجم میں نہ تو ایسا اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا ہے جو بالکل روکھا پھیکا ہو اور نہ ہی کرخت و سنگلاخ بلکہ ان کے اسلوبِ بیان سے ادبیت جھلکتی ہے، ایک مترنم اور دلکش کیفیت جنم لیتی ہے جس سے قاری کے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہوتی ہے اور ایسا اسلوبِ نگارش اختیار کیا گیا ہے جو ابلاغ و ترسیل کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے بنیادی مقصد یعنی ترجمہ نگاری سے نظریں نہیں چراتا۔ تراجم کا اسلوبِ بیان ایسا ہے کہ جملوں یا عبارت میں ادبی حسن پیدا کرنے کی شعوری کوششیں نہیں ہیں بلکہ یہ بے ساختگی سے پیدا ہوتا ہے۔

''تمہاری روح اس دنیا میں ایک تازہ وارد مسافر کے طور پر آئی ہے اور چند دن کے لیے گویا ایک سرائے میں مقیم ہے۔ اس زندگی کی مصیبتوں اور بلاؤں سے ہماری پناہ خدا کے ہاں سے ہے۔ سکونِ جاودانی ہم کو اسی وقت حاصل ہو گا جب ہم وصالِ جنابِ باری کی نعمت سے مستفیض ہوں گے اور یہ حالتِ مطمئنہ جب حاصل ہو جائے گی تو ہم کو وہ راحت ملے گی جس میں رنج کی آمیزش نہیں وہ طاقت نصیب ہو گی جو کمزوری سے مبرا ہے، وہ علم حصے میں آئے گا جو شک سے پاک ہے اور حیات و نور کے اس سرچشمہ ابدی کا دیدار میسر ہو گا جو ہمارا مبدا و منشا ہے۔''(۱)

ظفر علی خان کی طبع زاد نثر کی بات کریں تو یہ بات واضح ہے کہ وہ نثر کی روح، اس کی ضرورت و اہمیت، اس کی انفرادیت سے واقف ہیں، نیز وہ نثر کے تعمیری حسن سے بھی آگاہ ہیں، انھیں اپنے خیالات اور مقاصد کے بیان کے لیے نئے نئے پیرایہ ہائے اظہار اختیار کرنے کا سلیقہ بھی آتا ہے۔ وہ تمام کیفیات، احساسات اور جذبات کو تحریر میں منتقل کرنے کے لیے موزوں اور مناسب الفاظ کے انتخاب کی قدرت رکھتے ہیں۔ علمی موضوعات میں ان کا اندازِ بیان مدلل اور منطقی ہو جاتا ہے اور ادبی تحریروں میں یہی منطقی، مدلل اور خشک اسلوب تحریر جوئے آبِ رواں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایک چیز اُن کے اسلوب میں ہر جگہ موجود ہے جس کے سبب ان کی نثر میں ایک خاص رنگ و آہنگ پیدا ہو گیا ہے اور وہ ہے جوش و جذبہ، ان کی نثر میں جذبات کی کارفرمائی زیادہ ہے جس سے ایک رعب دار اور پر ہیبت اسلوب نے جنم لیا ہے۔ غلام حسین ذوالفقار ان کے اسلوبِ بیان کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''ظفر علی خان کی نثر ان کے مخصوص دہن، مزاج اور ماحول کی آئینہ دار ہے۔ ان کی سیمابی فطرت اور ماحول کی ہیجانی کیفیت نے مل جل کر ان کے اسلوبِ نگارش کو رعب دار اور پر شکوہ بنایا۔ ظفر علی خان محاربۂ عمل کے ایک تیز رو مسافر تھے۔ عقل سے زیادہ جذبہ، فکر سے زیادہ عمل اور سکون سے زیادہ ہنگامہ انھیں عزیز تھا۔ طوفان کی

تندی، بادلوں کی کڑک، بجلی کی چمک، آبشاروں کے خروش اور پیچ و خم کھاتے ہوئے پر شور پہاڑی ندی نالوں سے ان کے مزاج کو تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ شاعری کی روح ان کی نثر میں بھی ہیبت و جلال کے یہ عناصر بڑی فراوانی سے مل جاتے ہیں۔"(۲)

یہ رعب دار اور پر شکوہ اسلوب ان کی تحریروں میں مستقل نہیں ہے بلکہ ان کے اسلوبِ بیان میں ایک دلنشیں اتار چڑھاؤ بھی آتا رہتا ہے، چونکہ وہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے لہٰذا ان کے اسلوبِ تحریر میں شعری عناصر بھی اپنی بہار دکھاتے رہتے ہیں، نازک خیالی اور صناعی جو شاعری کی جان ہے ان کی نثر میں بھی کہیں کہیں موجود ہے لیکن اس کی مقدار اسی قدر ہے کہ وہ ذائقہ بنانے کے لیے ہے، بگاڑنے کے لیے نہیں۔ جہاں شاعرانہ اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا ہے، وہاں ان کی نثر پکے رومانوی ادیبوں کی طرح ہے جس میں زبان کے ظاہری حسن و جمال اور ترنم و موسیقیت کا خاص التزام کیا گیا ہے۔ ایسے موقعوں پر تشبیہات و استعارات کی بھرمار ہے، قوافی کا خیال رکھا گیا ہے اور جذبے کو پوری آزادی بخشی گئی ہے۔ ایک اقتباس دیکھیں:

"بہار کی آمد کا غلغلہ پڑنے سے پہلے شگوفہ اپنی قبائے نازک کو چاک کرتا ہے اس کی چاک دامانی اہلِ دل کے لیے ایک غیبی کنایہ کا حکم رکھتی ہے کہ ہاں اب پنجہ جنوں گریباں کی طرف بڑھے اور دل کے زخموں پر اگر قضا کا کھرنڈ جم گیا ہو تو اس کو بھی نوچ ڈالے تاکہ سبزۂ بیگانہ کی طرح یہ زخم پھر ایک دفعہ ہرے ہو جائیں جو اس رمز سے آشنا ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ موسم کی دیوانگی عین فرزانگی ہے۔"(۳)

ظفر علی خان کا اسلوبِ نگارش عصری تقاضوں اور رجحانات کے عین مطابق تھا، سرسید کی مقصدیت اور سادگی کا ردِ عمل رومانوی نثر کی صورت میں سامنے آیا تھا۔ اب روکھی پھیکی نثر کے بجائے رنگین پیرایہ بیان میں مترنم نثر کا چلن عام ہوا، عقلیت اور مقصدیت کے بجائے جذبہ و تخیل کی دنیا بسائی جانے لگی۔ جذباتی اور جوشیلے ظفر علی خان پر بھی اس رجحان کا اثر ہوا اور ان کی تحریروں میں بھی رومانوی عناصر پیدا ہو گئے۔

لیکن رومانوی اسلوب بھی مستقل اور دائمی نہیں، ان کے ہاں نظم و نثر کی سرحدوں کو علیحدہ سمجھنے کا رجحان بھی موجود ہے اور وہ سادگی اور قطعیت کو بھی اختیار کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی نثر سے مقصد کی اشاعت کا کام بھی لیا ہے جس کی مثال ان کی صحافتی نثر ہے اور صحافتی نثر چونکہ کسی مقصد کے تابع ہوتی ہے، لہٰذا مقصد کے تعین سے فائدہ

یہ ہوا کہ ان کی صحافتی نثر میں زبان کی آرائش اور نمائش پر زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ اب اُن کا اسلوب سادگی اور قطعیت کی طرف زیادہ مائل ہے، استدلال اور منطقی ربط ان کے اسلوبِ نگارش کا جزوِ لازم بن گئے ہیں۔ یہاں ایک بات وضاحت طلب ہے کہ استدلال اور منطقی انداز سے ابہام اور پیچیدگی نے جنم نہیں لیا بلکہ ادبیت کی شان باقی رہتے ہوئے زبان بول چال کی زبان کے قریب آگئی ہے اور ان کا بہار آفریں قلم نہایت سادگی وصفائی کے ساتھ دلّی و لکھنو کے روز مرے اور محاورے کے پھول بکھیرتا ہے:

> "۱۵ جنوری ۱۹۲۹ء کا دن آنے والی نسلوں کو ایشیا کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھا ہوا نظر آئے گا۔ اس دن آزادی کا وہ جھنڈا جو باطل کے ہاتھوں کابل میں سرنگوں ہو گیا تھا۔ فضائے قندھار میں تائیدِ ایزدی سے از سرِ نو لہرانے لگا۔ اور افغانستان کا جواں بخت اور جواں ہمت اور جواں سال شہریار اپنے اندرونی اور بیرونی حریفانِ جاں ستاں کی آنکھوں میں خاک جھونکتا ہوا دوشِ ہوا پر سوار ہو کر اپنے نئے پایہ تخت میں پہنچ گیا۔ قندھار نے اس کے رستہ میں آنکھیں بچھا دیں۔ غزنی کا ذرہ ذرہ پکار اٹھا کہ ہزار سال کے بعد ایک نیا محمود اس کی عظمت میں چار چاند لگانے کو آگیا۔ چاروں طرف سے سرفروش مجاہدوں کا ایک بے پناہ ہجوم اپنے سالارِ اعظم کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے کے لیے امڈا چلا آتا ہے۔ سامانِ حرب کے ذخیرے فراہم کیے جا رہے ہیں اور غیب سے ایک مہیب جنگی طاقت کے سامان ہو رہے ہیں، جس سے ٹکرا کر مخالف طاقتیں پاش پاش ہونے والی ہیں۔"(۴)

ظفر علی خان کی تحریروں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو الفاظ کے در و بست، فنِ انشا کی ضرورتوں اور بیان کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ آتا ہے۔ وہ سیدھے سادے الفاظ میں پیچیدہ سے پیچیدہ خیالات کو بیان کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ مولانا کے اسلوبِ نگارش کے متعلق نصر اللہ خان عزیز لکھتے ہیں:

> "مولانا ظفر علی خان کا اندازِ نگارش بلاشبہ ان کے ماحول کا نتیجہ ہے۔ علی گڑھ کے قیام نے ان کو اردوئے معلیٰ کی محاوراتی چاشنی بخشی۔ انگریزی علم و ادب کی تعلیم نے ان کے

طرزِ نگارش میں مغرب کے نقادانہ وصف کو اجاگر کیا۔ عربی نے ان کی تحریر میں زور پیدا کیا۔ فارسی نے نفاستِ خیال اور نزاکتِ بیان گویا ان کا اسلوبِ تحریر کا مجموعہ ہے۔ ان تمام اثرات و عوامل کا جو ہندوستان کے جدید حالات سے پیدا ہو سکتے تھے، انھوں نے مشرق و مغرب کو اس طرح بہم آمیز کر دیا ہے کہ ہر زبان کی خوبیاں اس میں سما گئیں جس سے ایک نیا طرزِ تحریر پیدا ہو گیا جو علم و ادب کی ہر شاخ میں کام دے سکتا ہے۔ ان کے اندازِ نگارش میں ہر شعبہ ادب کا حق ادا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔"(۵)

الغرض ظفر علی خان کی صحافتی تحریروں میں زبان و بیان کی صفائی اور سادگی پر زور دیا گیا ہے۔ عام فہم الفاظ، بر محل تشبیہات اور چھوٹے فقروں سے تحریر مزین ہے اور ادائے مطلب میں رکاوٹ پیدا نہیں ہونے دی گئی۔ ظفر علی خان کے اسلوبِ نگارش کا ایک اور پہلو ان کا طنزیہ اندازِ بیان ہے۔ قادیانیت اور تصوف جیسے مذہبی مباحث، انگریز استعمار کی مخالفت اور سیاسی مسائل و مباحث پر قلم فرسائی نے ایک طنزیہ اور جذباتی رنگ پیدا کر دیا اس رنگ کے زیر اثر انھوں نے قادیانیت، نام نہاد صوفیوں اور انگریزی حکومت پر بڑے شدید حملے کیے، یہ رنگ رفتہ رفتہ تلخی اور جھلاہٹ میں تبدیل ہو گیا۔ ان کی سیاسی تحریروں اور تقریروں میں یہ تلخی پوری شدت کے ساتھ ان کے اسلوبِ بیان کا حصہ بن گئی ہے۔ اس اسلوبِ بیان کی حامل تحریریں اگرچہ مستقل نوعیت کی نہیں ہیں لیکن ظفر علی خان نے ان تحریروں سے ہیجان، بے چینی اور نفرت کی شدت کو ابھارنے کا کام لیا ہے۔ ظفر علی خان کے اس اسلوبِ تحریر سے تحریر کی علمیت پر حرف نہیں آتا بلکہ وہ اپنی جگہ قائم رہتی ہے اور وہ لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے میں بھی کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ انہی تحریروں میں ان کا اسلوب کسی قدر تعصب اور شدت پسندی کے تابع بھی ہو جاتا ہے۔

''جن دو کتوں کے بیچ میں افغانستان، استخوانِ منازعت بنا ہوا تھا وہ لڑ بھڑ کر اپنا جھگڑا نبیڑ چکے ہیں۔ ان کی بھوں بھوں نے اس ہڈی کو کچھ بچائے رکھا۔ اب میدان میں جو ایک ہی کتا باقی رہ گیا ہے وہ بس کوئی دم میں چٹ کیا ہی چاہتا ہے۔''(۶)

ظفر علی خان کی وہ تحریریں جن کا موضوع ادبی تنقید ہے، وہاں ان کا اسلوب استدلالی اور متوازن ہے وہ جامع اور مکمل تجزیہ کرتے ہیں۔ بعض تنقیدی تبصروں میں اگرچہ طوالت ہے لیکن مجموعی تاثر یہی ہے کہ وہ اپنے تنقیدی تبصروں کو بے جا طوالت کا شکار نہیں ہونے دیتے۔ گویا ان تحریروں میں ان کا اسلوبِ نگارش ایجاز و اختصار، جامعیت اور قطعیت کا حامل ہے۔

ظفر علی خان کی زبان دانی مسلم الثبوت ہے؛ مرزا داغؔ دہلوی جیسے اہلِ زبان نے ان کی زبان کی تعریف کی ہے، اردو روز مرہ اور محاورہ کے بر محل استعمال میں انھیں مہارت حاصل ہے۔ الفاظ و محاورات کے در و بست اور نئی نئی تراکیب کے وضع کرنے اور انھیں اردو ڈکشن کا حصہ بنا دینے سے ان کی تحریر میں ایک امتیازی شان اور وقعت پیدا ہو گئی ہے۔ اس ضمن میں غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> ''ظفر علی خان کا ذہن مختلف النوع الفاظ، محاورات اور تراکیب کا ایسا مخزن ہے جس میں ہر رنگ اور ہر کیف کے نمونے بھرے پڑے ہیں اور جب وہ کسی جذباتی تحریک کے تحت اس مخزن سے ان نمونوں کو نکالتے اور استعمال کرتے ہیں تو ان کا انداز اتنا بے تکلف اور بے ساختہ ہوتا ہے کہ آورد کا کہیں دخل نہیں ہوتا۔ اردو کے ٹکسالی محاوروں کو جس بے تکلفی اور برجستگی سے انھوں نے استعمال کیا ہے اس کی مثال کم ہی ملے گی۔''(۷)

ظفر علی خان نے نہ صرف اردو الفاظ و محاورات اور تراکیب کا بر محل استعمال کیا ہے بلکہ اردو زبان و ادب کو سیکڑوں نئے الفاظ اور تراکیب سے بھی نوازا ہے۔ عربی و فارسی اور انگریزی روز مرہ کے الفاظ کو اس خوبی کے ساتھ اپنی تحریر میں پیوستہ کیا ہے کہ اجنبیت کا احساس تک نہیں ہوتا اور بعض تو اس کثرت کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں کہ وہ ہمارے روز مرہ کا ہی حصہ بن گئے ہیں۔

ہر صاحبِ طرز یا صاحبِ اسلوب ادیب کی طرح ظفر علی خان کا اسلوب بھی ارتقائی مراحل سے گزرا ہے۔ قیامِ حیدر آباد دکن کے زمانے میں اسلوب اس طرح رنگین، پر شکوہ اور پیچ و تاب کھاتا ہوا بلند آہنگ نہیں ہے جو بعد میں "ستارۂ صبح" کی اشاعت کے دوران میں تشکیل پا گیا تھا۔ ظفر علی خان کے تراجم بھی ابتدائی دور ہی کی یادگار ہیں، لہٰذا وہ بھی رومانوی بلند آہنگی سے ماورا ہیں اور سادگی و سلاست غالب ہے۔ لیکن علمی تراجم مثلاً "معرکہ مذہب و سائنس" اور "خیابانِ فارس" میں جو زبان استعمال کی گئی ہے۔ ایک تو وہ کتابوں کے موضوعات سے مطابقت رکھتی ہے اور دوسرا اس نے اردو ذخیرۂ الفاظ میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔ فی الحقیقت اگر دیکھا جائے تو ظفر علی خان کا اسلوبِ بیان "ستارۂ صبح" کے مقالات اور مضامین اور دیگر تحریروں میں پختہ ہو کر سامنے آتا ہے؛ یہ وہ زمانہ ہے جب وہ کرم آباد میں نظر بندی کے ایام گزار رہے تھے، فرصت میسر تھی، مطالعے کے مواقع زیادہ تھے اور بعد میں آنے والے دور کے برعکس نظر ثانی کے مواقع بھی تھے، لہٰذا اس دور کی تحریروں میں اسلوب کی انفرادیت اور پختگی واضح تر ہو چلی ہے۔ "زمیندار" کے دوسرے دور یعنی ۱۹۲۰ء کے بعد ظفر علی خان ادب سے زیادہ صحافت اور صحافت سے بھی زیادہ سیاست کی طرف متوجہ ہو چکے تھے اور بہت کم ادب کی طرف آتے تھے اور اگر کوئی مقالہ یا مضمون لکھتے بھی تھے تو قلم برداشتہ تحریر ہوتی تھی اور اس پر نظر ثانی کا موقع بہت کم ملتا تھا لیکن اس دور تک آتے آتے ان کا اسلوبِ تحریر تشکیل پا چکا تھا۔ یہاں مولانا کے ۱۹۲۷ء میں لکھے ہوئے ایک اداریہ کا اقتباس پیشِ خدمت ہے:

> "ان ہمدردانِ بنی نوعِ انسان کو یہ کبھی گوارا نہیں ہو سکتا کہ جس سرزمین پر ایک بار ان کے قدم پہنچ چکے ہوں وہ ان کے تصرف و اقتدار کا جوا گردن سے اتار کر ہمیشہ کے لیے تہذیب و تمدن کی لازوال برکات سے محروم رہ جائے۔ دول یورپ نے اپنی مقررہ حکمتِ عملی کے مطابق چین میں بھی تجارت اور تبلیغ مذہب کو اپنا مقدمۃ الجیش بنا کر بھیجا اور جب اہلِ چین نے افیون کو اپنی قوائے ذہنی و قلبی کے لیے زہرِ قاتل سمجھ کر اس کی خرید سے انکار کیا تو تہذیب کی سب سے بڑی دعوے دار سلطنت کے ڈریڈناٹ اور توپیں ان کے سر پر جا موجود ہوئیں، اور ان کے سر کشتگان کوئے نکبت و ادبار کو مجبور کیا گیا کہ تلخیِ دوراں کی لذت سے آشنا ہونے کے لیے افیون کھائیں۔ اس

"تجارتی" جنگ و جدل کے بعد چین پر غیر ملکیوں کی گرفت روز بروز مضبوط ہوتی گئی۔ لیکن دفعتاً چین کے مقدر نے پلٹا کھایا اور جماعتِ احرار اس سرفروشانہ عزم کے ساتھ اٹھی کہ یا تو ہم غیر ملکیوں کے اس تفوق کا قلع قمع کر دیں گے جس کی وجہ سے وہ ہمارے ملک میں بیٹھ کر ہماری آزادی کی جڑیں کاٹ رہے ہیں اور یا وطنِ عزیز کی آزادی پر اپنی جانیں قربان کر کے وطن پرستی اور ایثار کی لازوال روح اپنی یادگار چھوڑ جائیں گے جو آج نہیں تو کل ضرور رنگ لائے گی۔"(۸)

منٹگمری جیل سے رہائی پانے کے بعد دور یعنی ۱۹۲۵ء اور مابعد میں مکلف، مسجع اور مقفی نثر کی جو بھی تھوڑا بہت رنگ تھا وہ بھی زائل ہو گیا اور بلند آہنگی اور پر شکوہ اسلوب کے بجائے روانی، برودت اور خنکی کا اثر زیادہ ہو گیا تھا یعنی جس طرح مرور ایام اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ جوانی کا گرم خون اپنی حرارت کھو دیتا ہے اسی طرح ظفر علی خان کی جوانی کے گزرنے کے ساتھ ہی تحریر کی رنگینی اور چاشنی قدرے پھیکی پڑ گئی تھی۔

ظفر علی خان کے اسلوبِ تحریر کا ایک اور پہلو بھی الگ تذکرے کا متقاضی ہے اور وہ ہے ان کا خطیبانہ رنگ و آہنگ ہے، یہ رنگ اگرچہ ہر دور میں ان کی نثر میں کم و بیش موجود ہے حتیٰ کہ تراجم جو کہ ابتدائی دور کی یادگار ہیں، میں بھی یہ اندازِ تحریر موجود ہے لیکن اس اسلوبِ بیان کو تقویت تب ملی جب ظفر علی خان عملی طور پر سیاست میں آئے اور سیاست کو بند کمرے سے نکال کر کوچہ و بازار میں لے آئے، خواص کے بجائے عوام کی محفل میں لا بٹھایا؛ اس دور میں جس کو ہم ان کے اسلوب کی تشکیل کا دوسرا ہی دور کہیں گے۔ خطیبانہ طرزِ تحریر کے زیرِ اثر پر شکوہ الفاظ اور بلند آہنگ تراکیب کا استعمال بڑھ گیا ہے:

"آج دنیا کا وہ سب سے بڑا انقلاب برپا ہوا جس نے دنیا والوں کی کایا پلٹ دی۔ خدائے بزرگ و برتر کی دیرینہ حجت اپنے بندوں پر ختم ہو گئی۔ وہ جیتا جاگتا ارمان جو آذر کے حقیقت شناس بیٹے کے سینے میں مضطرب تھا، تڑپ کر باہر نکل آیا۔ وہ زندہ تمنا جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ مریم کے دلوں میں سمائی رہی، ساری کائنات میں ایک ہنگامہ اور تسخیر برپا کرنے کے لیے آشکار ہو گئی۔ باطل ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو گیا۔ حق ابدالآباد تک کے

لیے سربلند ہو گیا۔ انسان کے پاؤں سے غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں۔ آزادی کی بنیادیں استوار ہو گئیں۔ الست والے بھولے ہوئے میثاق کی تجدید ہوئی۔ مدتوں کا بھاگا ہوا غلام آقا کے قدموں میں آگرا۔ کالے اور گورے کا امتیاز اٹھ گیا۔ اونچ نیچ کا فرق جاتا رہا۔ مسندوں والے اور کملیوں والے ایک بوریے پر بٹھا دیے گئے۔ خزاں رخصت ہوئی، بہار آ گئی۔ رات بیت گئی دن نکل آیا، یعنی حضور رحمتِ عالمیان، صفوتِ آدمیاں، تتمہ دورِ زماں محمد ﷺ احمد مجتبیٰ بآبائنا و امہاتنہ جلوہ افروزِ منصہ شہود ہوئے۔"(۹)

ظفر علی خان اپنی تحریر میں ضرب المثل، مصادر اور اشعار کا استعمال بھی کرتے ہیں اور یہ استعمال موقع مناسبت سے اور بر محل ہوتا ہے۔ اشعار اور مصارع کا استعمال اور انتخاب ان کی اعلیٰ ذوقی کا آئینہ دار ہے؛ عربی و فارسی کے علاوہ اردو کے بھی استادانِ فن کے اشعار استعمال کیے ہیں اور یہ اشعار اور مصرعے انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ یہ انداز اور طریقہ توتراجم میں بھی استعمال کیا گیا ہے جہاں یہ متن میں صریحاً تصرف ہے لیکن ظفر علی خان اپنے مزاج کے مطابق اس سے دامن نہیں بچا سکے ہیں۔ ایک بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ وہ ابو الکلام آزاد کی طرح اشعار کو اپنی تحریر میں بے جا ٹھونستے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی طرح یہ گمان گزرتا ہے کہ نثر ہی اس لیے لکھی جا رہی ہے کہ اشعار کی قبا کا جامہ اس پر چست بیٹھ جائے، گویا اشعار داخل کرنے کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ اشعار کے علاوہ دلائل و براہین کے لیے حسبِ ضرورت قرآنی آیات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ قرآنی آیات زیادہ تر مذہبی مقالات اور تقریروں میں بیان کی گئیں ہیں۔

الغرض ظفر علی خان نے ایک اچھے نثر نگار کی طرح اس فرض کو نبھایا ہے کہ جس طرح انسان کی فطرت میں مختلف اوقات میں مختلف کیفیتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور جذبات میں رد و بدل، اتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز آتے رہتے ہیں، اسی طرح ان کی کیفیات کو ملحوظِ خاطر رکھ کر ہر طرح کی حالت کو مناسب پیرایہ اظہار کے ساتھ تحریر کیا جائے۔ ظفر علی خان کے ہاں یہ اسلوبیاتی تنوع موجود ہے، گویا ان کا اسلوب کثیر الجہتی اور امتزاجی اسلوب ہے۔

اردو زبان کے حوالے سے دیکھیں تو ان کی زبان دانی پر آج تک کوئی حرفِ اعتراض بلند نہیں ہو سکا۔ اختلاف کرنے والوں کو ان کی شخصیت سے اختلاف ہو گا ان کے نظریات و عقائد سے اختلاف ہو گا مگر ان کی

شخصیت سے اختلاف ہو گا، ان کے نظریات وعقائد سے اختلاف ہو گا مگر ان کی اردو پر ہر کسی کے لیے قابلِ قبول اور کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

"اردو پر ان کو کس قدر قدرت حاصل تھی؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یوپی والوں نے بھی ہمیشہ ان کو مستند مانا۔ اقبالؔ ایشیا کا کتنا بڑا شاعر تھا اس نے مسلمانوں کو کیا نہیں دیا۔ حکمت، فلسفہ اور دین کا گہرا اور اونچا تصور اس کے کلام کا طرہ امتیاز تھا بلاشبہ اس نے خیالات و افکار کی پرانی سمتیں بدل ڈالیں اور ایک ایسی بلند پایہ شاعری کا نمونہ پیش کیا جس میں علاوہ تخلیقی صلاحیتوں کے دعوت بھی تھی۔ زندگی کا متعین زاویہ نگاہ بھی تھا اور غضب کی پھبن بھی تھی مگر ایک طبقہ کو بھی باایں جلالت قدر ان کی زبان نہیں بھائی۔ ان کو اس میں تذکیر و تانیث اور اضافت و محاورہ کی غلطیاں نظر آئیں۔ مولانا کا معاملہ دوسرا ہے۔ ان کی ہر بات سے اختلاف ممکن ہے سوائے زبان کے کہ اس بارہ میں قطعی دورائیں نہیں ہو سکتیں۔ صحیح لکھنا بھی ایک درجہ ہے مگر مولانا کی ذاتِ گرامی ایسی تھی کہ ان کے ذوقِ ادب نے زبان کو سنوارا۔ اسے نئی تعبیریں بخشیں، اچھوتے اور نادر پیرایہ ہائے بیان عطا کیا اور ان کی زندگی اور جوش کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا جو لفظ ان کے منہ سے نکل گیا سند بن گیا اور جو اصطلاح ان کے در الضرب سے ڈھل کے آئی، مقبول ہو گئی۔"(۱۰)

حوالہ جات

۱۔ ظفر علی خان، مولانا؛ "معرکۂ مذہب و سائنس"؛ لاہور؛ ظفر علی خان ٹرسٹ؛ ۲۰۰۱ء؛ ص: ۲۶۲

۲۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر؛ "ظفر علی خان ادیب و شاعر"؛ لاہور، خیابانِ ادب؛ ص: ۲۸۱

۳۔ احمد سعید، پروفیسر؛ "آغازِ سخن: نگارشاتِ ظفر علی خان"؛ لاہور؛ ظفر علی خان ٹرسٹ؛ اکتوبر ۲۰۱۷ء؛ ص: ۱۴۱

۴۔ "اداریہ: "غازی امان اللہ خان کی کجکلاہی کا نیا دور: زمیندار"؛ ۲۰ جنوری ۱۹۲۹ء

۵۔ اشرف عطا؛ "مولانا ظفر علی خان"؛ لاہور، مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ؛ جون ۲۰۱۴ء؛ ص: ۱۷۸

۶۔ صادق حسین، ڈاکٹر؛ "انمول موتی"؛ لاہور؛ مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ؛ بارِ سوم؛ ۲۰۱۴ء؛ ص: ۱۰۷

۷۔ "ظفر علی خان ادیب و شاعر"؛ لاہور، مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ؛ جون ۲۰۱۴ء؛ ص: ۲۹۰۔۲۹۱

۸۔ ''اداریہ: چین کا جہادِ حریت: زمیندار''؛ شمارہ: ۲۰ اپریل ۱۹۲۷ء
۹۔ صادق حسین، ڈاکٹر؛ ''انمول موتی''؛ لاہور؛ مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ؛ بارِ سوم؛ ۲۰۱۴ء؛ ص: ۲۱
۱۰۔ اشرف عطا؛ ''مولانا ظفر علی خان''؛ لاہور، مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ؛ جون ۲۰۱۴ء؛ ص: ۱۶۴، ۱۶۳